POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-04 February 2026, R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511
Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 87واں سال

Date of Publication: 02-02-2026 • Price: 5/- • 8-14 February 2026 • Issue: 6 • Vol:85
۸تا۱۴فروری ۲۰۲۶ء • شمارہ:۶ • جلد:۸۵

پہلی قسط

اُردو ادب میں سرِقے کی بدترین مثال

جاسوسی ادب کے معمار ابنِ صفی کی مظلومیت کی داستان

محمد عارف اقبال

ادب میں مصنف کے حقوق کی پامالی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جب یوروپ میں مصنّفین کے حقوق کے تحفظ کا احساس پیدا ہوا تو 1886 میں سب سے پہلے یوروپی ممالک کے مابین برن کنونشن کے معاہدے ہوئے اور اسی معاہدے کا نتیجہ تھا کہ ساری دنیا میں رفتہ رفتہ مصنف و تخلیق کار کے حقوق کے تحفظ کا قانون بنایا گیا۔ 'کتاب کی تاریخ' کے مصنف شایاں قدوائی رومن عہد میں تحفظِ تصنیف واشاعت کے حقوق پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> ''رومن عہد میں جب کہ چرمی پارچوں پر ہاتھ سے کتابت ہورہی تھی یا قرونِ وسطیٰ میں آگے چل کر جب کاغذ پر کتب نویسی کا دور تھا، مصنفوں کے ساتھ دھوکہ بازی اور ان کی محنت کا سرقہ ناشرینِ کتب بھی کرتے تھے اور گھٹیا مصنّفین بھی۔ چھاپے خانوں کے وجود میں آجانے کے بعد بھی بہت عرصے تک اس بدعنوانی کا سلسلہ جاری رہا۔'' (صفحہ 131، مطبوعہ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی)

اردو ادب میں سرقہ یا چوری (Plagiarism) کے متعدد طریقے اختیار کیے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً کسی شاعر کی غزل کا شعر، مصرع اور ردیف وغیرہ کا سرقہ، کسی کہانی کے بنیادی کردار و پلاٹ کا سرقہ، کسی کے دیوان کو اپنا دیوان بنالینا، کسی کی تخلیق کو اپنی تخلیق قرار دینا، کسی مصنف کی اجازت کے بغیر اس کی کتاب و تخلیقات کی اشاعت وغیرہ۔ اس کے ساتھ ہی کسی کے نادر خیال کو من وعن چُرا لینے کا ہنر بھی ادب میں داخل ہوا۔ حتیٰ کہ پی ایچ.ڈی کے مقالوں کا سرقہ بھی موضوع و عنوان میں جزوی تبدیلی کے بعد ممکن بنالیا گیا ہے۔ دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ اس طرح کے مسروق مقالے پر پی ایچ.ڈی کی ڈگری بھی تفویض کی جانے لگی ہے۔ تحقیق میں حوالہ جاتی کتابوں (Bibliography) کا سرقہ بھی عام ہوگیا ہے یعنی ایک موضوع کے تحت درجنوں حوالے نقل کردیے جاتے ہیں لیکن محقق حوالے میں پیش کی گئی کتابوں کی صورت سے بھی ناآشنا ہوتا ہے۔ یہ رجحان اب برصغیر کی بیشتر یونیورسٹیوں کے طلبہ میں عام ہوگیا ہے۔ عہدِ حاضر میں نصابی کتابوں کی تیاری میں بھی سرقے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ کسی کتاب کو اپنے نام سے چھاپ کر مصنف بننے کا رجحان اور خبط بھی اردو دنیا میں عام ہے۔ راقم الحروف نے پاکستان کے کئی مصنفوں کی کتابوں کے ہندستانی ایڈیشن پر دہلی کے کسی شخص کا نام لکھا دیکھا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس طرح کی کسی کتاب پر اردو اکادمی جیسے باوقار ادارہ نے انعام بھی دیا ہے۔

بیسویں صدی کے اردو ادب میں اوریجنل اور بے مثال ناول نگار ابنِ صفی (آمد: بروز جمعہ اپریل 1928 رخصت: 26 جولائی 1980) ایک بلند پایہ انشا پرداز، طنز و مزاح نگار اور اعلا درجے کے شاعر تھے۔ ان کو اردو ادب میں جاسوسی ادب کا معمار بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ جاسوسی ناول نگاری کا آغاز انھوں نے ایک منصوبے کے تحت کیا تھا۔ ادب کے نام پر معاشرے میں سرایت کی جانے والی بے ادبی، بداخلاقی، جنسی بے راہ روی اور فحاشی کے رجحان کو وہ شدت سے محسوس کررہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اردو زبان عام ہو مگر اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ وہ ایک باکردار، بااخلاق، منظّم اور باشعور سماج کا ادراک رکھتے تھے۔ ان کو جرائم سے نفرت تھی۔ اخلاقیات کی پاسداری اور قانون کا احترام ان کی تحریروں کا بنیادی نکتہ ہے۔

مارچ 1952 میں جب ابنِ صفی کا پہلا ناول فریدی اور حمید کے بنیادی کردار پر مشتمل 'دلیر مجرم' الٰہ آباد سے شائع ہوا تو پھر ان کے قلم کی روشنائی کبھی خشک نہیں ہوئی۔ انھوں نے اپنا ادبی سفر کراچی ہجرت کرنے کے بعد بھی بڑی کامیابی سے جاری رکھا۔ فریدی، حمید کے کردار پر تقریباً 45 ناول کی شہرۂ آفاق کامیابی کے بعد 1955 میں انھوں نے عمران کا اچھوتا کردار تخلیق کیا۔ ان کے ہر نئے ناول کا انتظار اردو دنیا کے قارئین شدت سے کرنے لگے کیوں کہ ان کی تحریریں اپنے قارئین کے دلوں پر حکومت کرتی تھیں۔ لوگ ناول کے شوق میں اردو زبان و ادب کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ ان کے قارئین میں طلبہ و اساتذہ کے علاوہ انجینئر، ڈاکٹر، پروفیسر، سیاست داں، صحافی، تاجر، ادیب، شاعر، نقاد سبھی تھے۔ بعض ریٹائرڈ پروفیسرز، بیوروکریٹس، شعرا اور ادبا آج بھی اعتراف کرتے ہیں کہ انھوں نے ابنِ صفی کے ناولوں کے مطالعے سے اردو سیکھی۔

ابنِ صفی کے قلم کی سرعت کا اندازہ کیجیے کہ انھوں نے مارچ سے دسمبر 1952 کے دس مہینوں کے عرصے میں فریدی، حمید سیریز کے گیارہ ناول لکھے۔ اسی طرح 1953 اور 1954 کے چوبیس مہینوں میں فریدی، حمید اور انور، رشیدہ کے کرداروں پر مشتمل ان کے 25 شاہکار ناول شائع ہوئے۔ 1955 میں ایک طرف انھوں نے فریدی حمید سیریز کے گیارہ شاہکار ناول لکھے تو دوسری طرف ان کا تخلیقی اور زرخیز ذہن ایک نئے کردار 'عمران' کی تخلیق میں مصروف تھا۔ اکتوبر 1955 میں انھوں نے 'خوفناک عمارت' لکھ کر عمران سیریز کے سلسلے کا باضابطہ آغاز کردیا اور دسمبر تک عمران سیریز کے مزید دو ناول منظرِ عام پر آئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں الٰہ آباد کے نکہت پبلی کیشنز سے ابنِ صفی کے ناولوں کا سرکولیشن ایک لاکھ کو تجاوز کرگیا تھا۔

ایشیا میں ابنِ صفی کی مقبولیت اور ان کی تحریروں کی سحرانگیز شہرت سے زوال آمادہ اردو ادب کے پروردہ ادیبوں میں حسد اور رقابت کا جذبہ پروان چڑھنے لگا۔ چناں چہ ابنِ صفی کے نام کو کیش کرانے کے لیے متعدد نقال مصنّفین (ghost writers) وجود میں آئے اور انھوں نے ابنِ صفی کے قارئین کو رِجھانے کی ناکام کوششیں شروع کردیں۔ خاص طور سے ابنِ صفی کی علالت (1960 تا 1962) کے دوران میں نقال مصنّفین خود رَو جھاڑیوں کی طرح پیدا ہونے لگے کیوں کہ اس دوران میں ان کا کوئی ناول منظرِ عام پر نہیں آسکا۔ اُس دَور میں صفی کے نام پر کچھ لوگوں نے این صفی، ابّن صفی اور سیفی بی اے وغیرہ کے نام سے عمران کے کردار کو تختۂ مشق بنایا۔ ایسے میں خواتین کیوں پیچھے رہتیں، چناں چہ نجمہ صفی اور نغمہ صفی بھی پیدا ہوگئیں۔ ایسے سارے جعلی صفیوں نے اپنی سی کوشش کرڈالی لیکن ان کی اشاعت کبھی ایک ہزار سے زائد نہیں ہوپائی، اس لیے کہ زیادہ تر لکھنے والوں کا مطالعہ وسیع نہیں تھا، دوسرے ان کی تحریروں میں وہ دلکشی، سلاست اور روانی نہیں تھی جو ابنِ صفی کے ناولوں کا خاصہ ہے۔

ابنِ صفی نے اَن گنت صفیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

''رہی مختلف قسم کے ابنوں اور صفیوں کی بات تو بے چارے

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

سارے قافیے استعمال کر چکے ہیں، لہٰذا اب مجھے کسی 'ابن خصّی' کا انتظار ہے۔ میری دانست میں تو صرف یہی قافیہ بچا ہے۔ کوئی صاحبہ (اسی قافیہ والی) عرصے سے غلط فہمی پھیلا رہی ہیں کہ وہ میری کچھ لگتی ہیں۔ لیکن یقین کیجیے کہ میرے والد صاحب بھی ان کے جغرافیے پر روشنی ڈالنے سے معذور ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔''

('پیش رس' ڈیڑھ متوالے، اکتوبر 1963)

طویل علالت سے صحت یاب ہونے کے تین سال کے بعد 'ڈیڑھ متوالے' کے ہی پیش رس میں ابنِ صفی بڑے دکھ کے ساتھ لکھتے ہیں:

''اِدھر یارانِ طریقت تھے کہ طرح طرح کی افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ابنِ صفی پاگل ہوگیا ہے، کاٹنے دوڑتا ہے۔ ابنِ صفی نے پینے کی حد کردی تھی (حالاں کہ میری سات پشتوں میں بھی کسی نے نہ پی ہوگی) اس لیے ایک دن نروس بریک ڈاؤن ہوگیا۔ ابنِ صفی کا کسی سے عشق چل رہا تھا اس نے بے وفائی کی، دل شکستہ ہوکر گوشہ نشیں ہوگیا۔ (حالاں کہ گھٹیا قسم کے عشق کا تصور ہی میرے لیے مضحکہ خیز ہے) آخری اطلاع یہ تھی کہ ابنِ صفی کا انتقال ہوگیا۔ اس خبر پر سچ مچ دل اس طرح بھر آیا تھا جیسے میں خود ہی ابھی ابھی ابنِ صفی کو مٹی دے کر واپس آیا ہوں، پھر درجنوں ابنِ صفی پیدا ہوگئے جو اَب بھی بہ فضلِ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں اور دھڑلے سے میرے کرداروں کی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک تو ایسا ہے جس نے فحاشی کی حد کردی۔ حمید اور فریدی کو بھی رنڈی باز بنا کر رکھ دیا۔ سوچیے اور سر دُھنیے، خدا ان سبھوں کی مغفرت فرمائے اور مجھے صبرِ جمیل کی توفیق عطا کرے۔''

اندازہ ہوتا ہے کہ ابنِ صفی اپنے نقالوں کو محض دھمکی دینے پر اکتفا کرتے تھے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں، اپنے تخلیقی ذہن کو بروئے کار لائیں اور کسی دوسرے کے کردار پر شب خون نہ ماریں، لیکن اس معاملے میں ابنِ صفی کی یہ بات درست ثابت ہوئی کہ ''دکھ سہیں بی فاختہ اور کوّے انڈے کھائیں۔'' (سبز لہو، جولائی 1969)

ابنِ صفی کو کہاں فرصت تھی کہ وہ اس جھمیلے میں پڑتے۔ جس قوم سے ان کا تعلق تھا ان میں دشمنوں سے زیادہ دوستوں نے انھیں زک پہنچائی۔ انتہا یہ کہ خود کو ابنِ صفی کا نام نہاد شاگرد کہنے والوں نے بھی ابنِ صفی کے شاہکار کردار عمران کا پیچھا نہیں چھوڑا اور اپنی کم علمی کے سبب 'عمران' کی مٹی پلید کرتے رہے۔ کاش وہ جاسوسی ادب میں اپنی راہ خود نکالتے تو یقینی طور سے ابنِ صفی کے شاگرد ہونے کے حقیقی حق دار کہلاتے۔[1]

معروف نقاد پروفیسر عبدالمغنی نے 'اردو ادب میں دانشوری کی روایت' کے عنوان سے لکھے اپنے ایک مضمون میں ابنِ صفی کے بارے میں لکھا ہے:

''جاسوسی ناول نگاری میں ابن صفی انگریزی میں شرلاک ہومز کے خالق، کونن ڈوائل کی سطح پر ہیں۔'' (انداز تنقید، اشاعت 2007، صفحہ 106)

اگر ابنِ صفی یوروپ میں پیدا ہوئے ہوتے تو کیا ان کے کسی کردار کو وہاں کا کوئی مصنف سرقہ کرنے کی جرأت کرسکتا تھا؟ کیا یوروپ میں کسی ایسے مصنف کا ذکر ملتا ہے جس نے شرلاک ہومز اور ڈاکٹر واٹسن کے کردار کو اپنے ناول میں پیش کرنے کی جرأت کی ہو؟ بات وہیں آتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں مجموعی طور پر ہمارا قومی کردار اتنا سطحی، مفاد پرست اور منافقانہ ہوگیا ہے کہ ہمارے اندر کسی کی ذہانت و صلاحیت کے اعتراف کی جرأت پائی جاتی ہے اور نہ ہمارا تخلیقی ذہن اپنی راہ خود بنانے کا حامل ہی رہا ہے۔ خاص طور سے برعظیم میں قومی سطح پر زندگی کے ہر شعبے میں پستی ہمارا مقدر بنتی جارہی ہے۔ گذشتہ ساٹھ برسوں کے دوران میں اردو زبان سے وابستہ بیشتر افراد (ادیب، ناول نگار، شاعر اور اردو کتابوں کے ناشر) کا کردار بے حد مشتبہ رہا ہے۔ ابنِ صفی اپنے ناول 'گیارہ نومبر' (جنوری 1969) کے پیش رس میں لکھتے ہیں:

''...اب آیئے بے چارے مصنف (ابنِ صفی) کی طرف کہ اسے بہت دنوں کے بعد وہی پرانا مرض لاحق ہوگیا ہے، لیکن اس بار بنگلہ بھاشا میں ہوا ہے یعنی مشرقی پاکستان کے دو پبلشروں نے میرے کچھ ناولوں کا بنگلہ ترجمہ چھاپا ہے اور اس پر میرے نام کی بجائے 'مراد پاشا' اور 'آلک باری' رسید کردیا ہے یعنی اردو میں تو صرف چوریاں ہوتی تھیں لیکن بنگلہ میں تو ڈاکہ پڑا ہے مجھ پر۔

سنا ہے کراچی میں کوئی گجراتی اخبار عمران سیریز کا کوئی ناول نہ صرف چھاپ رہا ہے بلکہ کرداروں کی ایسی قلمی تصاویر بھی وہ اخبار میں چھاپ رہا ہے جنھیں دیکھ کر بعض 'عمران پسند' آپے سے باہر ہوگئے ہیں! قلمی تصاویر وہ اخبار میں چھاپ رہا ہے اور سلواتیں[2] مجھے سننی پڑ رہی ہیں۔ یہ دوسرا مرض ہے جو مجھے لاحق ہوا ہے۔

اب آپ مشورہ دیجیے کہ عدالتی کارروائی مناسب رہے گی یا گنڈے تعویذ کروں!''

ابنِ صفی کو یہ خدشہ لاحق نہیں تھا کہ ان کے اوریجنل ناول کو کوئی من وعن شائع کردے کیوں کہ ان کی حیات ہی میں اردو دنیا کے ڈائجسٹوں میں یہ سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ انھیں پریشانی اس بات کی تھی کہ اردو کے جعلی مصنّفین اور ناشرین دولت حاصل کرنے کے لیے ان کی شہرت کا فائدہ شرمناک حد تک ناجائز طریقے سے اٹھا رہے تھے۔ ابنِ صفی 'ڈیڑھ متوالے' کے پیش رس میں لکھتے ہیں:

''کراچی کے ایک ذاتِ شریف نے میرے ناول 'زہریلا آدمی' (فریدی سیریز، فروری 1960) کے کرداروں کے نام تبدیل کیے اور اسے اکرم الٰہ آبادی کے نام سے چلا دیا۔ اکرم الٰہ آبادی بھی خاصے مشہور لکھنے والے ہیں، اس طرح ان کی بھی توہین کی گئی۔''

اس معاملے میں یقینی طور سے کانپور، الٰہ آباد، لاہور، کراچی اور دہلی کے بعض پبلشروں نے بڑی دہشت گردی مچائی۔ کانپور کے شاہین پبلی کیشنز کے محمد درویش خاں نے فریدی، حمید اور عمران سیریز کے درجنوں ناول اس دیدہ دلیری سے شائع کیے کہ اردو دنیا کی تاریخ میں ایسی مذموم حرکت کا ارتکاب شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ ایسا لگتا ہے کہ اس پبلشر نے خود ابنِ صفی کی ڈمی کا رول ادا کیا اور فریدی، حمید و عمران سیریز کے درجنوں ناول جعلی مصنفوں سے لکھوا کر شائع کیے۔ ہر ناول کے سرورق پر بڑی بے شرمی سے ابنِ صفی لکھا حتیٰ کہ 'پیش رس' کی نقالی بھی کی۔ اس نے ابنِ صفی کے 'ابن' پر تشدید یا مقطع نما نشان دے کر یہ توجیہ کرنے کی کوشش کی کہ یہ ابّن صفی ہے لیکن اس ناول کے بیشتر قارئین فریب میں مبتلا ہوکر ابنِ صفی ہی سمجھتے رہے۔ اس کے شائع کردہ جعلی ناولوں کے چند نام یہ ہیں: معزز الّو، آوارہ فرشتہ، شکاری ناگن، ڈیڑھ متوالے، کبڑا شیطان، لاشوں کے کھنڈر، نغمۂ موت، پتھر کا شکار، حساس مردے، وہ آرہی ہے، انوکھا شکاری، خوش پوش بھیڑیے، سرخ نشان، مڈونگا کی واپسی، تصویر کی موت، چاند کی دھوپ، وحشیوں کا حکمراں، خوفناک ٹپلو نرودا، موت کی محبوبہ، قہر کا دیوتا، پاگل لڑکے، آنکھ کے قاتل، مرحوم کی موت، متحرک مقبرے، موسیقی کا خون، موت جھپٹتی ہے وغیرہ۔

مذکورہ جعلی ناولوں کے علی الرغم ابنِ صفی کے ایک ناول 'ڈیڑھ متوالے' کو شاہین پبلی کیشنز نے اوریجنل نام سے اس وقت شائع کیا جب کہ 'دلچسپ حادثہ' اور 'بے آواز سیارہ' سلسلے کا آخری شاہکار ناول 'ڈیڑھ متوالے' کی اشاعت کا اعلان نکہت پبلی کیشنز، الٰہ آباد کی طرف سے کیا گیا تھا۔ واضح ہو کہ 'ڈیڑھ متوالے' ابنِ صفی کا وہ یادگار ناول ہے جسے انھوں نے اپنی علالت کے تقریباً تین برسوں کے بعد لکھا تھا۔ اس ناول کا اجرا 25 نومبر 1962 کو الٰہ آباد میں اُس وقت کے مرکزی وزیرِ مواصلات آنجہانی لال بہادر شاستری کے ہاتھوں ہوا تھا۔ اس وقت نکہت پبلی کیشنز کے عباس حسینی (مرحوم) نے شاہین پبلی کیشنز، کانپور کے پرنٹر پبلشر محمد درویش خاں کے خلاف قانونی کارروائی بھی کی تھی۔ پولیس نے شاہین پبلی کیشنز، کانپور کے اسٹور سے جعلی 'ڈیڑھ متوالے' کی بہت سی کاپیاں ضبط بھی کیں۔

اردو ادب میں سرقہ اور مصنف کے حق پر کسی ناشر کے ڈاکہ ڈالنے کی اس سے بدترین مثال شاید دوسری نہیں پیش کی جاسکتی۔ درویش خاں کے اس ادارے کی طرف سے باضابطہ دو ماہنامے عمران سیریز، کانپور اور حمید- فریدی سیریز، کانپور شائع ہوا کرتے تھے۔ یہ ماہنامے RNI کے تحت باضابطہ رجسٹرڈ کرائے گئے تھے۔ ماہنامہ حمید- فریدی سیریز، کانپور کا رجسٹریشن نمبر 6902 / 62 تھا۔ مذکورہ دونوں ماہناموں کے تحت ابنِ صفی کے نام سے جعلی ناول شائع کیے جاتے۔ یہ ناول جعلی مصنّفین کی طرف سے لکھے جاتے جنھیں بے شرمی کے ساتھ ابنِ صفی کے نام کی سند دی جاتی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ownership declaration میں ان ماہناموں کے ایڈیٹر کا نام: ابنِ صفی، قومیت: ہندستانی اور پتے کے طور پر 92 / 57 پوروہ، ہیرامن، کانپور 1- درج کیے جاتے۔ محمد درویش خاں (پرنٹر پبلشر) کی طرف سے یہ ڈیکلریشن یکم فروری 1964 کو عمران سیریز کے گیارہویں شمارے میں شائع کیا گیا۔

اس ادارے کے پرنٹر پبلشر محمد درویش خاں کے کریہہ چہرے کا دوسرا روپ بھی ملاحظہ کیجیے۔ نکہت پبلی کیشنز، الٰہ آباد کی جانب سے جب درویش خاں کے غیر اخلاقی، ناجائز و غیر قانونی حرکتوں کا سخت نوٹس لیا گیا تو اس نے اپنے دونوں ماہناموں میں نکہت پبلی کیشنز الٰہ آباد کے خلاف نفرت و شر انگیز پروپیگنڈہ کا آغاز کردیا۔ جلی حرفوں میں شائع ایک علانیہ کچھ اس طرح تھا:

''محترم ابنِ صفی اور ان کے ادارہ شاہین پبلی کیشنز کی غیر معمولی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کو دیکھ کر حاسدوں کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ نقال اور فتنہ پرور پبلشر کے نت نئے شیطانی منصوبے... لیکن ان شاءاللہ اس کے جھوٹ اور مکر و فریب کی باطل کہانی زیادہ دنوں جاری نہیں رہ سکتی اور کچھ ہی دنوں بعد اس کو منہ کی کھانی پڑے گی۔''

درویش خان نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ فرضی قارئین کی طرف سے اپنے ماہناموں میں درجنوں تعریفی و توصیفی خطوط شائع کیے۔ یہ خطوط جن قارئین کی طرف سے لکھے گئے یقینی طور سے جعلی ہی کہے جائیں گے کیوں کہ ابنِ صفی کی اصل تحریروں کا مطالعہ کرنے والے قارئین سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ابنِ صفی کو کانپور کا باشندہ تسلیم کریں نیز یہ کہ خود درویش خاں کے پیش کردہ ناولوں کے اسلوب اور سطحی طرزِ نگارش سے گمراہ ہوجائیں۔ ابنِ صفی کے نام پر درویش خاں کے پیش کردہ ناولوں میں اتنا دَم نہیں تھا کہ اسے اصلی ابنِ صفی کی تخلیق سمجھ لی جاتی۔ نمونے کے طور پر جعلی ایڈیشن کے ایک قاری کا خط ملاحظہ کیجیے:

''عظیم ابنِ صفی آداب و نیاز!

آج کی ڈاک سے عمران سیریز کا شاہکار 'موت جھپٹتی ہے' موصول ہوا۔ پڑھ کر بہت پسند آیا۔ خدا آپ کو اور آپ کے قلم کو اسی طرح دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور حاسدوں کو یونہی جلن کی آگ میں جلنا نصیب کرے۔ آمین!

آپ کی ترقیوں کا خواہاں عبداللطیف، بیلگام (کرناٹک)''

(بحوالہ: ماہنامہ حمید فریدی سیریز، کانپور، بارہواں شمارہ، دوسرا سال)

...(بقیہ صفحہ 6 پر)

اُردو ادب میں خواتین کی خدمات

مرضیہ عارف

یہ حقیقت ہے کہ علم وادب کی ترقی میں مردوں کی بڑی خدمات ہیں، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ انسانی تاریخ میں کسی زبان کو بقا ملی یا اُس کی ترقی ہوئی تو اِس کا سہرا مردوں کے ساتھ عورتوں کے سر پر بھی بندھتا ہے، اِس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کا عوامی معاشرے میں میل ملاپ کم رہتا ہے بلکہ پچھلی صدیوں میں تو یہ نہ ہونے کے برابر تھا جس کے نتیجے میں عورتیں بازاری زبان اور عام لوگوں کے رابطے سے محفوظ رہتی تھیں۔ ماضی پر نظر ڈالیں تو بیگمات کی زبان مثالی ہوا کرتی تھی، جس کو اپنی تخلیقات میں برت کر اُردو کے کئی ادیبوں نے پہچان بنائی ہے، اِسی لیے ہر زبان کے لغت میں ایسی فرہنگ موجود ہے، جو صرف عورتوں کے لیے مخصوص ہے، مردوں کی عام بول چال میں یہ الفاظ شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں، اِسی لیے مردوں کے برعکس عورتوں کی تحریریں عام فہم اور رواں ہوتی ہیں، اُنھیں مردوں کے مقابلے میں سیکھنے کا شوق زیادہ ہوتا ہے اور جواب دینے میں بھی وہ فطرتاً مشّاق ہوتی ہیں۔ ایک زمانے میں طوائفوں کی زبان وتہذیب کا سکہ چلتا تھا کہ شاہی خاندان اور رئیس گھرانوں کے بچوں کو اُن کے زیرِ تربیت رکھا جاتا تھا۔ یہ زبان دانی اور روایت وقت کے ساتھ باقی نہیں رہی، لیکن پرانے اوراق کی گرد جھاڑی جائے تو آج بھی اُس کے لطیف صوتی اثرات ہماری فکر وسماعت پر اثر انداز ہوتے ہیں، لیکن آج نہ وہ اُردوے معلیٰ رہی، نہ وہ گلی کوچے جہاں کوثر و تسنیم سے دُھلی ہوئی یہ اُردو بولی جاتی تھی، وقت کے ساتھ سب قصۂ پارینہ ہوگئے، تاہم زمانہ نے کروٹ بدلی، جمود ٹوٹا تو عورتیں اور لڑکیاں بھی اپنے احساسات اور جذبات کو ادب کی مختلف اصناف میں پیش کرنے کی ہمت کرنے لگیں، جس کا گاہے بگاہے اعتراف ہوا، لیکن اِس پر مبسوط کام کی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے، جتنا کل تھی۔

حالاں کہ تمام زبانوں کے ادب کا وافر حصّہ عورتوں کے کارناموں کے بیان پر مشتمل ہے، لیکن اِس صنفِ نازک کے جذبات و احساسات کو اُبھرنے کا موقع کم ملا، اور نہ اُس کے کاموں کو عوام تک پہنچانے میں انصاف سے کام لیا گیا۔ میری رائے میں اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُردو میں تحقیق وتنقید کا فرض اکثر مرد اہلِ قلم ہی ادا کرتے رہے ہیں، جن سے یہ ناانصافی سرزد ہوئی، جب کہ عورتوں نے شاعری اور نثر نگاری کے ارتقا میں مردوں کے شانہ بشانہ حصّہ لیا لیکن اُن کی کاوشوں کو ترتیب و تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کا کام نہیں ہوسکا۔ حالاں کہ عورتوں کی تخلیقی صلاحیتوں کا مظاہرہ 19 ویں صدی کے وسط سے ناول نگاری اور افسانہ نویسی سے ہوگیا تھا تب سے آج تک جاری ہے، کئی خاتون ناول نگار تو اِس میدان میں عالمی شہرت و مقبولیت کی مالک ہیں، جن میں محمدی بیگم، طیبہ بیگم، انوری بیگم اور نذر سجاد نے ناولوں میں عورتوں کی تعلیم کے ساتھ اُن کے معاشرتی مسائل کی بھی ترجمانی کی۔ دوسرے دور میں حجاب امتیاز علی، صالحہ عابد حسین، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر کے نام کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ اُردو ناولوں کا وقار بلند کرنے اور فنّی بلندی پر پہنچانے میں عطیہ پروین، عفت موہانی، واجدہ تبسم، جیلانی بانو، رفیعہ منظورالامین، آمنہ ابوالحسن، صغریٰ مہدی، رضیہ بٹ، ہاجرہ مسرور، رضیہ سجاد ظہیر اور ذکیہ مشہدی نے اہم کردار ادا کیا، اُن کے یہاں جذبات نگاری ہی نہیں، فکر وفن کا گہرا امتزاج بھی ملتا ہے۔

ڈاکٹر رشید جہاں عورتوں میں پہلی قلم کار تھیں جنھوں نے ترقی پسند تحریک سے متاثر ہوکر افسانے لکھنا شروع کیے، اُن کا قلم قدامت پسندی کے خلاف تلوار کی طرح چلتا رہا، وہ پرانے سماج کے فرسودہ نظام اور اُس کی روایتوں کو گرادینا چاہتی تھیں اور ترقی پسند معاشرے کی بنیادیں رکھنے کی آرزومند تھیں، اُنھیں انسانی سماج کی کمزوریوں کو نشانہ بنانے میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ عصمت چغتائی دوسری خاتون ادیبہ ہیں، اُنھوں نے خود کو ترقی پسند یا رجعت پسندی کے خانوں میں قید کرنا پسند نہیں کیا، اُن کے یہاں ابتدا سے افسانہ نگاری کی فنی صلاحیتیں موجود تھیں، وہ اپنے بھائی عظیم بیگ چغتائی سے زیادہ جری اور بے باک تھیں، جس کا مظاہرہ عصمت نے اپنے جنسیاتی ونفسیاتی افسانے 'لحاف' میں کرکے ادبی دنیا میں بھونچال پیدا کردیا تھا، اِسے پطرس بخاری نے اُردو زبان کا شاہکار افسانہ قرار دیا ہے، اُن کے دیگر افسانوں میں بھی ایک ناقد کی طرح عصمت اپنے ماحول کی کجروی کا مشاہدہ پیش کرکے عورت جنس سے اپنی ہمدردی کا ثبوت دیتی ہیں۔

بعد کی افسانہ نگار خواتین میں حجاب امتیاز علی نے ایک نئے ماحول کی عکاسی کرکے شہرت پائی اور صالحہ عابد حسین نے خاندانی ورثے میں ملی ادبی میراث کو اپنی کہانیوں میں پیش کرکے جہاں نسائی شعور کا مظاہرہ کیا، وہیں متوسط طبقے کے مسائل کو ناول وافسانے میں نمائندگی دی، اِس سے پہلے 19 ویں صدی کے نصف آخر میں ہندستان جس معاشرتی وسیاسی انقلاب سے دوچار ہوا، اُس نے جہاں مشرقی اقدار کو نقصان پہنچایا، وہیں انگریزی تعلیم کی راہ ہموار کی، انگریز، ڈچ اور فرانسیسیوں نے اسکول کھولے تو لڑکیاں بھی انگریزی تعلیم حاصل کرنے لگیں۔ یہی زمانہ تھا جب راجہ رام موہن رائے نے برہمو سماج کی بنیاد رکھی اور لڑکیاں پردے کو چھوڑ کر گھروں سے باہر نکل آئیں، بنگال کے برہمو سماج اور بمبئی کے پارسی خاندانوں کی لڑکیوں نے لکھنا شروع کردیا، اُن کی تحریک کا اثر لے کر اعلا اور پسماندہ طبقات کی لڑکیاں بھی لکھنے کی طرف راغب ہوئیں۔ سرسیّد احمد خاں، نواب سلطان جہاں بیگم اور راشد الخیری اِس صدی کے مصلحوں کی حیثیت سے اُبھرے، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا حالی کو طبقۂ نسواں کے دُکھ درد کا احساس ہوگیا تھا، اُنھوں نے اپنی زندگی خواتین کے مسائل کے لیے وقف کردی۔

اِس صدی کے آخر 1898ء میں لاہور سے 'تہذیبِ نسواں' اور 'شریف بی بی' رسائل نکلنا شروع ہوئے تو خواتین کی صحافت کی داغ بیل پڑگئی اور 1908 میں 'عصمت' کا اجرا ہوگیا، جو اُس وقت کی سماجی زندگی کا سنگ میل رسالہ مانا جاتا ہے، تعجب کا پہلو یہ ہے کہ شدید تعلیمی پسماندگی کے باوجود ایک صدی قبل اِن رسائل نے لکھنے والی خواتین کی ایک فوج تیار کردی تھی اور آگے چل کر یہی خواتین بعد کی نسل کی پیش رو تسلیم کی گئیں، جنھوں نے تعلیم حاصل کرکے قلم سنبھالا اور مردوں کے مقابل اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا کر زبان وادب کو مالا مال کیا۔ قرۃ العین حیدر، رضیہ سجاد ظہیر، عصمت چغتائی، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، سیّدہ جعفر، شفیقہ فرحت، فہمیدہ ریاض، کشور ناہید، ادا جعفری، ممتاز شیریں، پروین شاکر، زاہدہ زیدی، جیلانی بانو، زہرہ نگاہ، سب نے صحافت ہو، تنقید وتحقیق ہو، ناول وافسانہ ہو یا ڈراما وخودنوشت اور شاعری، ہر موضوع ومضمون میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے لیکن اُس کی خاطر خواہ ہمت افزائی نہیں کی گئی۔

جہاں تک وسطِ ہند کے شہر بھوپال کا تعلق ہے تو یہاں کی خواتین اہلِ قلم نے بھی نثر نگاری میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے، جس کا آغاز نواب شاہ جہاں بیگم سے ہوتا ہے جو نوابی حکومت کی فرماں روا ہونے کے ساتھ مشہور ادیبہ اور شاعرہ بھی تھیں، خود بھی لکھا اور اہلِ قلم کی سرپرستی بھی کی۔ مشہور عالمِ دین مولوی صدیق حسن خاں سے نکاح کے بعد بیگم صاحبہ کی علم پروری میں کافی اضافہ ہوگیا تھا۔ انھوں نے مختلف علوم وفنون کی نہایت اہم کتابوں کو حکومت کے صرفے سے شائع کرایا اور ایک لغت بھی خود تیار کیا، اُن کی بیٹی نواب سلطان جہاں بیگم نے حکومت وانتظام کے شعبے میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کے ساتھ علمی کتابیں خود لکھیں اور لکھوائیں، جن میں علامہ شبلی نعمانی کی مشہورِ زمانہ 'سیرۃ النبیؐ' سرِفہرست ہے۔ انھوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چانسلر کی حیثیت سے یونیورسٹی کے کانووکیشن اور دیگر علمی مجالس میں جو تقاریر کیں وہ اُردو نثر کا معیاری نمونہ ہیں۔ سفرنامۂ حرمین شریفین کے علاوہ انھوں نے تعلیم کی اہمیت اور معاشرتی اصلاح پر کتابیں خود لکھیں اور مرتب کرکے شائع کرائیں لیکن بھوپال میں عام خواتین کی کہانی لکھنے کا آغاز کافی بعد میں اُس وقت ہوا جب نیاز فتح پوری 1915 میں بھوپال آئے تو گیارہ سال مقیم رہے۔ اُنھوں نے خود بھی افسانے لکھے اور معاصر قلم کاروں کو بھی اِس صنف کی طرف راغب کیا، جن میں اختر جمال اور زہرہ جمال دو بہنیں سرِفہرست ہیں، دونوں کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں بعد میں کوثر جہاں اپنے مجموعہ 'جادونگری' کی اشاعت سے مشہور ہوئیں، صفیہ اختر حالاں کہ اُتر پردیش کی تھیں لیکن بھوپال کے حمیدیہ آرٹس کالج میں اُردو کی پروفیسر ہوئیں۔ اُنھوں نے اپنے شوہر جاں نثار اختر کے نام جو خطوط لکھے وہ شائع ہونے کے بعد اُن کی شہرت و مقبولیت کا وسیلہ بن گئے ہیں، اِس سلسلے کا دوسرا بڑا نام پروفیسر شفیقہ فرحت کا ہے، جن کے افسانے اور طنزیہ مضامین کے سات مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ محترمہ طیبہ بی صاحبہ کی تحریری صلاحیتوں کا ثبوت اُن کی تصنیف 'تاریخ فرماں روایانِ بھوپال' ہے۔ ڈاکٹر کشور سلطان نے جاں نثار اختر پر اور ڈاکٹر انیس سلطانہ نے بھوپال کی تنقید وتحقیق پر سیر حاصل کام کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے۔ اِسی طرح وسیم بانو قدوائی نے بھی اپنے ناول اور افسانوں سے بھوپال کی اُردو نثر کو مالا مال کیا ہے، وہ لکھنؤ میں ضرور پیدا ہوئیں لیکن بھوپال میں تعلیم پائی۔ 1965 میں پہلا ناول شائع ہوا اور 14 ناول نیز درجنوں افسانے اُن کے شائع ہوچکے ہیں۔ اُنھیں مدھیہ پردیش اُردو اکادمی کا ٹیچر ایوارڈ بھی ملا ہے۔

ڈاکٹر رضیہ حامد بھی 1982 سے ادب، صحافت، تنقید، تحقیق اور تاریخ پر مسلسل لکھ کر اپنی کُل ہند شناخت قائم کرچکی ہیں۔ انھوں نے سہ ماہی 'فکر وآگہی' کے بڑے وقیع اور اہم نمبر نکالے جن میں بھوپال نمبر خاص شہرت رکھتا ہے۔ اِس عرصے میں جن دیگر خواتین اہلِ قلم نے کام کرکے اپنا مقام بنایا اُن میں ڈاکٹر رفعت جہاں، ڈاکٹر ارجمند بانو افشاں، ڈاکٹر فیروزہ یاسمین، ڈاکٹر رُشدیٰ جمیل اور ڈاکٹر تسکین جہاں کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

مکان نمبر 4، اسٹریٹ نمبر 1، ریت گھاٹ روڈ، بھوپال–462001
Mob. 6267843376

اردو دُنیا

جامعہ نگر میں اسکولی تعلیم کی ابتر صورتِ حال

نئی دہلی (31 جنوری)۔ مشرقی دہلی کے مسلم اکثریتی علاقے جامعہ نگر میں اسکولی تعلیم کی صورتِ حال پر تیار کی گئی ایک اہم سروے رپورٹ نے سرکاری تعلیمی پالیسیوں اور سہولتوں پر سنگین سوالات کھڑے کردیے ہیں۔ جماعتِ اسلامی ہند حلقہ دہلی اور نیشنل آؤٹ ریچ اینڈ اربن اسٹڈیز (این او یو ایس) کی مشترکہ رپورٹ میں انکشاف ہوا ہے کہ اگرچہ بچوں کے اسکولوں میں اندراج کی شرح بلند ہے، لیکن تعلیمی معیار تشویش ناک حد تک کمزور ہے۔ مسلم اکثریتی محلوں میں اسکولی تعلیم کے عنوان سے یہ رپورٹ گھریلو سروے پر مبنی ہے، جس میں 2648 مسلم گھرانوں اور 3942 بچوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ رپورٹ مرکز جماعت اسلامی ہند سے جاری کی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق جامعہ نگر میں 27 فیصد سے زیادہ والدین ناخواندہ ہیں، جب کہ 61 فیصد گھروں میں کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ جیسی بنیادی ڈیجیٹل سہولتیں دستیاب نہیں۔ کم آمدنی، محدود وسائل اور رہن سہن کے ناموافق حالات بچوں کی تعلیم پر براہِ راست اثر انداز ہورہے ہیں۔ اگرچہ سروے میں یہ بات سامنے آئی کہ 94 فیصد بچوں کا اسکولوں میں اندراج ہوچکا ہے اور 97 فیصد خاندان اپنے بچوں کو اعلا تعلیم دلانے کے خواہاں ہیں، لیکن تعلیمی کارکردگی نہایت مایوس کن پائی گئی۔

آٹھویں جماعت کے صرف 49 فیصد بچے اردو کی کہانی درست طور پر پڑھنے کے قابل ہیں جب کہ ریاضی میں تقسیم کرنے کی صلاحیت محض 31 فیصد بچوں میں پائی گئی۔ رپورٹ میں تعلیمی زوال کی بنیادی وجوہ کے طور پر معیاری سرکاری اسکولوں کی کمی، ڈیجیٹل سہولتوں کا فقدان، وظائف تک محدود رسائی اور مہاجر خاندانوں کو درپیش خصوصی مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ساتھ ہی سفارش کی گئی ہے کہ مسلم اکثریتی علاقوں میں معیاری سرکاری اسکول قائم کیے جائیں، ڈیجیٹل آلات اور انٹرنیٹ کی سہولت فراہم کی جائے، وظائف کے نظام کو آسان اور شفاف بنایا جائے اور مہاجر خاندانوں کے لیے خصوصی فلاحی اقدام کیے جائیں۔ ماہرین کے مطابق یہ رپورٹ نہ صرف جامعہ نگر بلکہ دہلی کے دیگر مسلم اکثریتی علاقوں کی تعلیمی صورتِ حال کی عکاس ہے اور پالیسی سازوں کے لیے ایک سنجیدہ انتباہ بھی، جس پر فوری اور موثر اقدام کی ضرورت ہے۔ (انقلاب۔ دہلی)

جسولہ جامعہ نگر میں محفلِ مشاعرہ

نئی دہلی (31 جنوری)۔ ماہنامہ 'صلاح کار' ہوٹل زین اِن اور دلّی دربار کے زیرِ اہتمام ہوٹل زین اِن کے وسیع ہال میں جشنِ جمہوریہ کے موقعے پر 'ایک شام قومی یکجہتی کے نام' کُل ہند مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ مشاعرے کی صدارت جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق صدر شعبۂ اُردو پروفیسر شہپر رسول نے کی۔ صدرِ محفل نے اپنے صدارتی خطاب میں قومی یکجہتی پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ قومی یکجہتی کی اس دور میں ضرورت واہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ یہ ہمارے ہندستانی سماج کی ایک ممتاز واعلا قدر رہی ہے۔ آپسی بھائی چارہ ملک کا تہذیبی سرمایہ ہے، جس کی ہمیں ہرحال میں حفاظت کرنی ہے۔ پروگرام کا آغاز صدرِ مشاعرہ اور مہمانان نے شمع روشن کرکے کیا۔ شروعات نوجوان خوش گلو شاعر مشفق بچھرایونی نے کی۔ نظامت کے فرائض ماہنامہ 'صلاح کار' کے ایڈیٹر حامد علی اختر نے انجام دیے اور قومی یکجہتی پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ ماہنامہ 'صلاح کار' کی جانب سے معروف شاعر جناب کشش وارثی کو حب الوطنی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس موقعے پر ماہنامہ 'صلاح کار' نئی دہلی کے خصوصی شمارے اقرأ نمبر کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ اس اہم پروگرام میں بہ حیثیت مہمانِ خصوصی ساجد حسن (بھوپال)، مہمانِ ذی وقار ڈاکٹر ماجد دیوبندی، مہمانِ اعزازی اعجاز انصاری اور ایوارڈ یافتہ جناب کشش وارثی کے علاوہ تقریباً 12 شاعر الٰہ آباد، بھوپال، مرادآباد اور دہلی کے شریک تھے۔ جن شعرا نے شرکت کی ان میں پروفیسر شہپر رسول، ڈاکٹر ماجد دیوبندی، خمار دہلوی، برہم بھاردواج، رستم الٰہ آبادی، ڈاکٹر فرمان چودھری، نسیم وارثی، مشفق بچھرایونی، کاظم، صبا عزیز، ڈاکٹر خوشبو پروین اور ہما دہلوی کے نام شامل ہیں۔ معزز سامعین میں عبدالحق، وارث بھائی، جاوید صاحب، امیر حیدر زیدی، شیخ نظام، ڈاکٹر کمال، انجم بھائی، مخدوم اختر، آصف اور سلمان بھائی کے علاوہ دیگر صاحبان لطف اندوز ہوئے۔ پروگرام کو ایشیا ٹائمس یوٹیوب چینل کے ایڈیٹر اشرف علی بستوی نے مکمل کور کرکے کیمرے میں محفوظ کیا۔ پروگرام کے اختتام پر ہوٹل زین اِن کے مالک جناب مفصال نے تمام شرکا کا شکریہ ادا کیا اور پُرتکلف عشائیے کے لیے مدعو کیا۔ عرصۂ دراز بعد ایک سنجیدہ اور معیاری مشاعرہ تھا جسے سامعین نے بے حد سراہا۔ (قومی میزان۔ دہلی)

یو پی کے چار ہزار مدارس 'اے ٹی ایس' کے نشانے پر

تمام ضلع اقلیتی بہبود افسران سے غیر ملکی فنڈنگ سے متعلق جانچ رپورٹ اور دستاویزات طلب، جانچ میں تیزی

لکھنؤ (حمیداللہ صدیقی)۔ اترپردیش حکومت کی ہدایت پر ریاست میں چل رہے تقریباً چار ہزار مدارس کی فنڈنگ اور قانونی حیثیت کی جانچ کے لیے کارروائی تیز کردی گئی ہے۔ اس سلسلے میں یوپی کے محکمۂ اقلیتی بہبود کی جانب سے سبھی ضلع اقلیتی بہبود افسران کو مکتوب بھیج کر کہا گیا ہے کہ وہ انسداد دہشت گردی اسکوائڈ (اے ٹی ایس) کی جانچ میں تعاون کریں اور ضروری دستاویزات اور جانچ رپورٹ فراہم کرائیں۔ حکومت کی جانب سے اے ٹی ایس کی جانچ میں تیزی لانے سے ایک بار پھر مدارس کے ذمے داران میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔

یوپی کے محکمۂ اقلیتی بہبود افسران کو بھیجے گئے مکتوب میں کہا گیا ہے کہ ریاست میں تقریباً چار ہزار مدارس کو ملنے والی فنڈنگ کی تحقیقات کے لیے تشکیل دی گئی ایس آئی ٹی کی میٹنگ میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ اے ٹی ایس کی تمام فیلڈ یونٹس کو ان کے دائرۂ کار میں چلنے والے منظور شدہ اور غیر منظور شدہ مدارس کی فہرست فراہم کرتے ہوئے ان کی تصدیق کا عمل جاری ہے۔ تصدیقی عمل کے دوران مدارس، اداروں اور ان کے منتظمین کے بینک کھاتوں میں لین دین کی تفصیلات حاصل کی جائیں اور ان کی تصدیق کی جائے اور تصدیقی رپورٹ ہر صورت میں دو ہفتوں کے اندر فراہم کی جائے۔ مکتوب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کچھ مدارس کے پاس بڑی بڑی عمارتیں ہیں تاہم منتظمین ان عمارتوں کی تعمیر کے حوالے سے آمدنی کا کوئی مستند ذریعہ فراہم نہیں کرتے ہیں۔ ایسے مدارس کی تعمیر کے ماخذ کی مکمل تصدیق کی جائے اور رپورٹ پیش کی جائے۔ مذکورہ مدارس میں غیر ملکی فنڈنگ کے حوالے سے مقامی ذرائع، انٹیلی جنس یونٹ اور ضلع سطح سے معلومات حاصل کی جائے اور اسے تیار کیا جائے اور اس سے محکمے کو آگاہ کیا جائے تاکہ سامنے آنے والے حقائق پر قابلِ عمل کارروائی کی جاسکے۔ مذکورہ بالا نکات میں سے ہر ایک کی جانچ کے بعد اس بات کو یقینی بنائیں کہ سفارشات کے ساتھ رپورٹ بغیر کسی تاخیر کے فراہم کی جائے اور اس بات کو بھی یقینی بنایا جائے کہ اگر اے ٹی ایس کی کوئی فیلڈ یونٹ ضلع سے رابطہ کرتی ہے تو مدارس کی تحقیقات میں مکمل تعاون فراہم کیا جائے۔

واضح رہے کہ ڈائرکٹر کے مکتوب میں 17 دسمبر 2025 کو ہوئی ایک اہم میٹنگ کا ذکر کیا گیا ہے جس کی صدارت ایڈیشنل ڈائرکٹر جنرل (اے ٹی ایس) نے کی تھی۔ میٹنگ میں یہ فیصلہ لیا گیا کہ مدارس کی آمدنی کے ذرائع، خاص کر غیر ملکی فنڈنگ اور تعمیرات کی تفصیلی جانچ کی جائے۔ کمیٹی نے یہ بھی ہدایت کی ہے کہ مقامی انٹیلی جنس یونٹس کے ذریعے معلومات اکٹھا کی جائیں اور مدارس سے متعلق تمام مالی لین دین، تعمیراتی اجازت ناموں اور انتظامی ڈھانچوں کی مکمل جانچ کی جائے۔ اگر کسی بھی مدرسے کا تعلق غیر قانونی یا ملک مخالف سرگرمیوں میں ملوث پایا گیا تو سخت کارروائی کی جائے گی۔ ذرائع کے مطابق ابتدائی جانچ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ بعض علاقوں میں بڑے بڑے مدرسے اور عمارتیں قائم کی گئی ہیں، لیکن ان کی تعمیر سے متعلق کوئی مستند اجازت یا قانونی دستاویزات دستیاب نہیں ہیں۔ اسی طرح کچھ مدارس میں فنڈنگ کے ذرائع مشکوک پائے گئے ہیں، جس کی وجہ سے سیکورٹی ادارے الرٹ ہوگئے ہیں۔ حکام کا کہنا ہے کہ اس کارروائی کا مقصد کسی خاص طبقے کو نشانہ بنانا نہیں بلکہ سرکاری فنڈز کے درست استعمال اور ریاست کی سلامتی کو یقینی بنانا ہے۔

تحقیقات مکمل ہونے کے بعد تفصیلی رپورٹ ریاستی حکومت کو پیش کی جائے گی جس کی بنیاد پر آئندہ کارروائی طے کی جائے گی۔ وہیں ٹیچرس ایسوسی ایشن مدارسِ عربیہ اترپردیش کے جنرل سکریٹری دیوان صاحب زماں خاں نے اس مسئلے پر 'انقلاب' سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ انسداد دہشت گردی اسکواڈ کا قیام دہشت گردی کی روک تھام کے لیے کیا گیا ہے، ابھی تک دہشت گردی کے کسی واقعے میں مدرسوں کا کوئی کردار سامنے نہیں آیا ہے، اس کے بعد بھی چار ہزار مدارس کی جانچ اے ٹی ایس سے کرایا جانا افسوسناک ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اے ٹی ایس نے دس باتوں سے متعلق معلومات طلب کی تھی جو مدرسوں نے دے دی ہے، لیکن ڈائرکٹر اقلیتی بہبود کے حالیہ آرڈر سے یہ واضح ہورہا ہے کہ اے ٹی ایس مدرسوں کی فنڈنگ کی خصوصی جانچ کررہا ہے۔ دلیل یہ دی جارہی ہے کہ مدرسوں نے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کرلی ہیں جس کی آمدنی کے ذرائع واضح نہیں ہیں جب کہ عمارتیں ایک دن میں تیار نہیں ہوتیں، یہ عمل لگاتار جاری رہتا ہے۔ کمیٹی عوامی چندے سے یہ کام کرتی ہے جس کی رسیدیں چند برسوں کے بعد تلف کردی جاتی ہیں، لمبے عرصے کے بعد حساب مانگنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جانچ میں مدرسہ سوسائٹی کے بینک اکاؤنٹ کے ساتھ منیجر کا اکاؤنٹ نمبر بھی مانگا جارہا ہے۔ ایک ضلع میں تو کمیٹی کے سارے اراکین کے اکاؤنٹ نمبر مانگ لیے گئے جس سے اراکین پریشان ہیں۔ دیوان زماں کا کہنا ہے کہ لگاتار جانچ سے مدرسے یکسوئی سے تعلیم کی طرف توجہ نہیں دے پارہے ہیں، جس سے طلبہ کا مستقبل داؤ پر ہے، اس لیے وزیرِ اعلا سے گزارش ہے کہ وہ اس معاملے میں مداخلت کرکے جانچ کا آرڈر منسوخ کرنے کی ہدایت کریں۔ انھوں نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اس سے پہلے قومی انسانی حقوق کمیشن نے تمام امداد یافتہ مدرسوں کی جانچ 'ای او ڈبلیو' سے کرانے کا آرڈر کیا تھا جسے الٰہ آباد ہائی کورٹ کی ڈویژن بنچ نے اسٹے کردیا تھا۔

واضح رہے کہ اس سے قبل 21 اکتوبر 2024 کو بھی تمام ضلع اقلیتی بہبود کے افسران کو اس سلسلے میں ایک خط جاری کیا گیا تھا اور 4191 مدارس کی فہرست اے ٹی ایس کے ڈائرکٹر جنرل کو سونپی گئی تھی۔

(روزنامہ 'انقلاب' 31 جنوری 2026، ص 1 اور 4)

گورنمنٹ اردو ہائی اسکول کے

ایس ایس ایل سی طلبہ کا تعلیمی دورہ

بنگلور (19 جنوری)۔ گورنمنٹ اردو ہائی اسکول، ڈی جے ہلی کے ایس ایس ایل سی طلبہ نے 19 جنوری کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (مانو) پالی ٹیکنک بنگلور کا تعلیمی دورہ کیا۔ پروگرام کا مقصد اردو اسکول کے طلبہ میں اعلا تعلیم سے متعلق شعور بیداری اور ایک بہتر مستقبل کے لیے کیریر گائیڈنس فراہم کرنا تھا۔ پروگرام کے کوآرڈینیٹر نجیب اللہ ظفاری اور رضوان شریف تھے جب کہ اس دورے کا انعقاد مانو پالی ٹیکنک کے انچارج پرنسپل ڈاکٹر معظم معین الدین کی رہنمائی اور سرپرستی میں کیا گیا۔ یہ تعلیمی دورہ اسکل انڈیا اقدام کے تحت گورنمنٹ اردو ہائی اسکول ڈی جے ہلی، بنگلور کے ایس ایس ایل سی طلبہ کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ اسکول کے ٹیچرز منگلا، نوین، صادقہ اور سعدیہ کی قیادت میں تقریباً 60 طلبہ نے اس دورے میں حصہ لیا۔ رضوان شریف نے اساتذہ وطلبہ کا استقبال کیا۔ ڈاکٹر ٹی منور ماکماری، ہیڈ آف سول انجینئرنگ اور انچارج پرنسپل کی جانب سے اسکول کے اساتذہ کو تہنیت کے طور پر یونیورسٹی کلینڈر پیش کیے گئے۔ محبوب الحق (اسسٹنٹ پروفیسر الیکٹرانکس اینڈ کمیونکیشن انجینئرنگ) نے طلبہ کے لیے کیریر گائیڈنس پر تفصیلی لکچر پیش کیا جس میں انھوں نے پی یوسی کے علاوہ پالی ٹیکنک کورس سے متعلق مستقبل کے کیریر پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ انھوں نے پالی ٹیکنک کورس کے بعد روزگار کے وسیع مواقع اور پھر ہائر ایجوکیشن کے بارے میں بتایا۔ اس وقت گورنمنٹ کی جانب سے بھی مہارت پر مبنی کورس پر کافی توجہ دی جارہی ہے۔ اسی طرح اسکول انڈیا کے تحت بہت سے اقدام کیے جارہے ہیں۔ آخر میں انچارج پرنسپل نے آنے والے ایس ایس ایل سی کے فائنل امتحانات میں طلبہ کو خوب محنت کرنے کی ترغیب دی اور انھیں کامیابی کے لیے دعائیں دیں۔ پروگرام کے بعد طلبہ کو تمام شعبہ جات اور متعلقہ تجربہ گاہوں کا دورہ کرایا گیا جہاں امرسنگھ، اجمل صادق، شیخ ریاض اور ضیاء الدین خاں نے لیبز کی خصوصیات اور عملی تجربات کے بارے میں بتایا۔ پروگرام کے اختتام پر ظاہر عباس خاں (ہیڈ آف کمپیوٹر سائنس انجینئرنگ) نے ہدیۂ تشکر پیش کیا۔ رضوان شریف (انسٹرکٹر، کمپیوٹر سائنس انجینئرنگ) نے نظامت کی۔ (سالار۔ بنگلور)

طاہر فراز کی شاعری میں سادگی، خلوص، دردمندی اور فکری گہرائی نمایاں تھی

انجمن ترقی اردو اتر پردیش کا طاہر فراز کو خراجِ عقیدت

امروہہ (25 جنوری)۔ انجمن ترقی اردو اتر پردیش کے زیر اہتمام معروف شاعر اور ممتاز ادبی شخصیت طاہر فراز کے انتقال پر ایک تعزیتی میٹنگ منعقد کی گئی۔ اس تعزیتی نشست کی صدارت انجمن کے نائب صدر ڈاکٹر سراج الدین ہاشمی نے کی، جب کہ بڑی تعداد میں اہلِ علم، ادبا، شعرا اور سماجی شخصیات نے شرکت کی۔ میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر سراج الدین ہاشمی نے کہا کہ طاہر فراز اردو شاعری کا ایک درخشاں نام تھے، جن کی شاعری میں سادگی، خلوص، دردمندی اور فکری گہرائی نمایاں طور پر نظر آتی تھی۔ انھوں نے کہا کہ طاہر فراز کی تخلیقات نے اردو ادب کو ایک نئی سمت دی، ان کا اسلوب آج کے دور میں بھی رہنمائی کرتا رہے گا۔ ان کا انتقال اردو ادب کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ انھوں نے مرحوم کے درجات کی بلندی اور اہلِ خانہ کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کی۔ اس موقعے پر ڈاکٹر جمشید کمال امروہوی (پرنسپل امام المدارس انٹر کالج) نے اپنے تعزیتی خطاب میں کہا کہ طاہر فراز نہ صرف ایک عظیم شاعر تھے بلکہ ایک حساس اور باوقار انسان بھی تھے۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

رفتید ولے نہ از دلِ ما

اسد رضا

نئی دہلی۔ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' کے سابق گروپ ایڈیٹر، مشہور صحافی اور معروف شاعر اسد رضا کا یکم فروری 2026 کو فورٹیز اسپتال میں تقریباً 74 برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ خاندانی ذرائع کے مطابق پس ماندگان میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ ان کی پیدائش 2 جنوری 1952 کو ضلع بجنور (یوپی) میں ہوئی تھی۔ ان کے والد ظفر علی نقوی ریٹائرڈ گزیٹڈ آفیسر تھے۔ ان کی تدفین ان کے آبائی وطن پیدی سادات، ضلع بجنور میں ہوئی۔ سردی اٹیک کی وجہ سے انھیں اسپتال میں داخل کرایا گیا تھا جہاں ان کا انتقال ہوگیا۔ اسد رضا نے 1991 میں 'راشٹریہ سہارا' جوائن کیا تھا جہاں سے وہ گروپ ایڈیٹر کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے تھے۔ ان کا اصل نام سیّد اسد رضا نقوی تھا، لیکن اسد رضا کے نام سے معروف تھے۔ وہ مضامین لکھنے کے ساتھ ساتھ شاعری بھی کرتے تھے۔ خاص طور پر ان کی مزاحیہ اور طنزیہ شاعری مقبول تھی۔ ان کی مطبوعات میں 'آئینے احساس کے' (شعری مجموعہ)، 'شوخیِ قلم' (طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا مجموعہ)، 'چاندنگر کی سیر' (بچوں کے لیے بامقصد مزاحیہ کہانیوں کا مجموعہ)، 'شہرِ احساس' (شعری مجموعہ)، 'ادبی اسپتال' (مزاحیہ و طنزیہ مضامین)، 'شوشے' (طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا مجموعہ) اور 'نعمتوں کی سرکار' (بچوں کے لیے) شامل ہیں۔ ان کی متعدد کتابوں پر بہار، اتر پردیش اردو اکادمی اور اردو اکادمی دہلی نے انعام سے نوازا تھا۔ ان کی تخلیقات آل انڈیا ریڈیو، دوردرشن، برطانوی ریڈیو، ای ٹی وی وغیرہ سے نشر و ٹیلی کاسٹ ہوتی رہتی تھیں۔ 'فلم' یہ کیسا انصاف' کے لیے اور لندن، برمنگھم، تہران، شیراز، لکھنؤ، دہلی، بھوپال، حیدرآباد، بنگلور، انبالہ (ہریانہ)، لدھیانہ (پنجاب) وغیرہ کے 1000 سے زیادہ مشاعروں و ادبی محفلوں میں شرکت کی۔ اردو، ہندی و انگریزی میں ان کے کالم و مضامین شائع ہوئے۔ 'عالمی سہارا' ٹی وی چینل پر سیاسی مبصر کے طور پر بھی مدعو کیے جاتے تھے۔ سجاد حیدر یلدرم ایوارڈ ضلع بجنور، بزم شعرائے میثم سرسی (مرادآباد)، بہ یادِ ساحر لدھیانوی ایوارڈ لدھیانہ: مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ برائے شاعری (مرادآباد) بہ یادِ اندرا گاندھی ایوارڈ و اعزازات سے نوازے گئے۔ اس کے علاوہ برائے شاعری، ہندی پریشد وردھمان کالج بجنور وغیرہ نے بھی انعامات و اعزازات سے نوازا تھا۔

مولانا محمد احمد خاں

نئی دہلی۔ معروف حکیم و ڈاکٹر مولانا محمد احمد خاں (سابق ہیلتھ آفیسر، حکومتِ دہلی) کا 31 جنوری 2026 کو انتقال ہوگیا۔ مرحوم کی عمر 70 برس تھی۔ مرحوم کا آبائی وطن چک داؤد پور ہنسور، امبیڈکر نگر، یوپی تھا۔ وہ حاجی کالونی، جامعہ نگر، نئی دہلی میں تاحیات مقیم رہے۔ ان کے انتقال سے یونانی حلقے میں غم کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مرحوم کی نمازِ جنازہ بعد نمازِ مغرب حاجی کالونی کی ایک مسجد میں ادا کی گئی اور تدفین بٹلہ ہاؤس قبرستان میں عمل میں آئی۔ تدفین میں طبِ یونانی سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات سمیت سیاسی، سماجی وملّی شخصیات نے شرکت کی۔ آل انڈیا یونانی طبی کانگریس کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور کہا کہ مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند اور مختلف خوبیوں کے مالک تھے۔ طبی دنیا میں نیک نام وخلوص کے پیکر کے طور پر جانے جاتے تھے۔ پس ماندگان میں اہلیہ، ایک بیٹی اور تین بیٹے شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا کرے۔ تعزیت کرنے والوں میں معصوم مرادآبادی، سہیل انجم، جاوید اختر، اشرف بستوی، ڈاکٹر محمد شریف قاسمی، ڈاکٹر شمس الآفاق، محمد عمران قنوجی، ڈاکٹر نازش، احتشام اعظمی اور ڈاکٹر اعجاز احمد خاں وغیرہ شامل ہیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

گلبرگہ کے تین قلم کاروں کو محبوب علی خان ایوارڈ تفویض

گلبرگہ (27 جنوری)۔ مجیب علی خان میوزیم کلچرل فورم گلبرگہ کے زیرِ اہتمام 26 جنوری کو محمد محی الدین پاشاہ مدیر اعلا روز نامہ 'انقلابِ دکن' گلبرگہ کی سرپرستی اور سینئر صحافی و معروف شاعر حکیم شاکر کی صدارت میں گلبرگہ کے تین اردو قلم کاروں کو گلبرگہ کی ادب دوست شخصیت الحاج مجیب علی خان کے والدِ محترم عوام دوست اور اردو نواز قاضی محبوب علی خان مرحوم ومغفور کی پیدائش کو سو برس مکمل ہونے پر ان کے نام سے منسوب گلبرگہ سے متعلق تین شہرت یافتہ اردو قلم کار منظور وقار (محبوب علی خان ایوارڈ برائے مجموعی خدمات)، ڈاکٹر انیس صدیقی (محبوب علی خان ایوارڈ برائے ادبی خدمات) اور ڈاکٹر غضنفر اقبال سہروردی (محبوب علی خان ایوارڈ برائے نثری خدمات) سیاسی رہنما جناب عالم خان کے ہاتھوں تفویض کیے گئے۔

تقریب تفویضِ اعزازات کی ابتدا جناب کلیم الدین کی قرأتِ کلام پاک سے ہوئی۔ حافظ سیّد عبدالرحمٰن نے حمدِ باری تعالی پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ معروف نعت خواں جناب اسد محی الدین خان نے نعت رسول مقبول ﷺ کا نذرانہ پیش کیا۔ تقریب کے روح رواں اور سربراہ مجیب علی خان میوزیم کلچرل فورم گلبرگہ جناب مجیب علی خان نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں تمام حاضرین کا استقبال کیا اور تقریب کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی۔ مشہور اردو افسانہ نگار ڈاکٹر کوثر پروین نے تینوں اعزاز یافتگان کا تعارف پیش کیا۔ جناب یوسف منیار نے اپنی تقریر میں کہا یہ تین ایوارڈ باپ کی عظمت بیٹے کی عقیدت اور ادب سے محبت کی اعلا مثال ہیں۔ انھوں نے تینوں قلم کاروں کو اردو ادب کا حقیقی سفیر قرار دیا۔

تقریب کے مہمانِ خصوصی انجینئر محمد عارف مرزا نے تینوں اصحابِ قلم کو دلی مبارک باد پیش کی اور ان کی گراں قدر خدمات کو سراہا۔ تینوں اعزاز یافتگان کو عارف مرزا نے اپنی جانب سے تحفۂ خلوص پیش کیا۔ ممتاز قلم کار ڈاکٹر انیس صدیقی نے الحاج مجیب علی خان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا تینوں اعزاز یافتگان عرصۂ دراز سے اردو زبان وادب میں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں اور ملکی سطح پر ان کی شناخت قائم ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا اعزاز کسی کو عطا کرنا صحت مند معاشرے کا مستحسن قدم ہوتا ہے مجیب علی خان کی یہ کاوش لائقِ ستائش ہے۔ صدر تقریب الحاج حکیم شاکر نے مجیب علی خاں کو مبارک باد پیش کی اور تینوں قلم کاروں کے انتخاب کو حق بہ جانب قرار دیا۔

تقریب کی نظامت جناب نواب خان نے بہ حسن وخوبی انجام دی جناب وسیم عارف نے اظہارِ تشکر کیا۔ پُر تکلف ظہرانے کا اہتمام کیا گیا۔ تقریب میں شہر گلبرگہ کے معزز حضرات وخواتین نے شرکت کی۔ (کے بی این ٹائمز۔ گلبرگہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **جنم دن** (کہانیاں)
مترجم : پروفیسر ضیاء الرحمٰن صدیقی
اشاعت : 2019
ضخامت : 172 صفحات
قیمت : 225 روپے
ملنے کا پتا : پبلی کیشنز ڈویژن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
تبصرہ نگار : ڈاکٹر فرقان سنبھلی

پروفیسر ضیاء الرحمٰن صدیقی کا شمار عہدِ حاضر کے ممتاز محققوں اور مشرقی طرز کے ناقدین میں کیا جاتا ہے۔ دہلی یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی میں درس وتدریس سے وابستگی کے علاوہ انھیں ملک کے کئی صوبوں کے اداروں میں بطورِ پرنسپل کام کرنے کا موقع فراہم ہوا۔ وہ متعدد ریجنل لنگویج سنٹروں میں تحقیقی و تنقیدی کاموں میں بھی مصروف رہے ہیں۔ موصوف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں پروفیسر منتخب ہونے سے قبل اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر، سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لنگویجز (حکومتِ ہند) میں شعبۂ تدریس سے وابستگی کے ساتھ ساتھ اعلا اور معیاری ریسرچ امور سے وابستہ رہے۔ پروفیسر صدیقی گذشتہ تین دہائیوں سے اردو زبان وادب کی خاموشی کے ساتھ صلے کی پرواہ کیے بغیر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اردو تحقیق وتنقید کے موضوع پر ان کی ڈیڑھ درجن سے زائد کتابیں منظرِ عام پر آکر مقبولیت حاصل کرچکی ہیں۔ ان میں اردو ادب کی تاریخ، اردو ہندی ڈکشنری، اردو کا فاصلاتی نظامِ تعلیم، تحریکِ آزادی اور اردو نثر وغیرہ شامل ہیں۔ انھوں نے گورنر ریاست ہماچل پردیش کے اردو ترجمان کی حیثیت سے تو خدمات انجام دی ہی ہیں ساتھ ہی ساہتیہ اکیڈمی اور این بی ٹی کی کتابوں کے انگریزی سے اردو میں کامیاب ترجمے بھی کیے ہیں۔

'جنم دن' پروفیسر ضیاء الرحمٰن صدیقی کی تازہ کتاب ہے جس سے طلبہ کے ساتھ ساتھ عام قاری بھی مستفید ہوسکتا ہے۔ جنم دن ملیالم، بنگالی، آسامی اور انگریزی کہانیوں کے اردو تراجم کا مجموعہ ہے۔ سادہ، سلیس اور عام فہم زبان میں کیے گئے مشہور کہانیوں کے تراجم طلبہ اور عام قاری دونوں کو محظوظ کرتے ہیں۔

کتاب آٹھ کہانیوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ملیالم کہانی 'جنم دن' ویکوم محمد بشیر کی عمدہ کہانی ہے جس میں ایک مصنف کی مفلسی اور اس کے جنم دن پر بھی بھوک سے لڑنے کی روداد کو حساس طریقے پر بیان کرتی ہے۔ لکشمی ناتھ بزبوروا کی آسامی کہانی 'بھداری' میں بھداری اس معاشرے کا جیتا جاگتا کردار ہے جو شوہر کے تمام ظلم وستم برداشت کرنے کے باوجود اسی کی سرپرستی میں زندہ رہنا چاہتی ہے۔ یہ آج بھی سچ ہے کہ بعض خواتین شوہر کو آج بھی بھگوان تصور کرتی ہیں۔ پربھات کمار مکھوپادھیائے کی بنگالی کہانی 'پھولوں کا مول' ایک جذباتی اور حساس موضوع پر لکھی گئی کہانی ہے۔ ایک بہن اپنی ماں کو زندہ رکھنے کے لیے کس طرح مرے ہوئے بھائی کو زندہ بنا کر پیش کرتی ہے اور پھر اسی بھائی کی قبر پر چڑھانے کے لیے بہت مشکل سے کمائے پیسے سے پھول بھجواتی ہے۔

کتاب کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ طلبہ کو جدید دور کی تکنیک سے بھی واقف کرانے کی سنجیدہ کوشش کی گئی ہے۔ آخری باب میں اردو ماس میڈیا پر گفتگو اختصار کے ساتھ مگر جامع انداز میں موجود ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک دونوں ہی کا میڈیا سے متعارف کراتے ہوئے ترجمے کے فن پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کے مطالعے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ کتاب میں وہ تمام تر ممکنہ معلومات اختصار کے ساتھ مگر جامع انداز میں فراہم کردی گئی ہیں جن کی تلاش طلبہ کو نصابی ضرورتوں کے مدِ نظر ہمیشہ رہتی ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب طلبہ کے لیے مفید ہونے کے ساتھ ساتھ ان عام قارئین کے لیے بھی فائدہ مند ہے جو اردو زبان وادب سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس سے زیادہ واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دیدہ زیب ٹائٹل کور، عمدہ طباعت اور وافر مواد کے باوجود طلبہ کے لیے کتاب مناسب قیمت پر فراہم کرائی جارہی ہے۔ قوی امید ہے کہ کتاب کو اردو حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

◆◆◆

اُردو ادب میں سرقے کی بدترین مثال

(بقیہ صفحہ 2 سے آگے)

اس خط کے لب ولہجہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ خط جعلی ہے اور کسی خاص مقصد کے تحت لکھا گیا ہے۔ درویش خاں کی جرأت یا حماقت کی انتہا یہ ہے کہ اس نے ابنِ صفی کی طرف سے انہی کے لب و لہجے کی نقالی کرتے ہوئے 'پیش رس' لکھنے کی کوشش کی۔ اس نے جاسوسی ادب کے عظیم مصنف ابنِ صفی کے تخلیق کردہ تمام کرداروں کی نہ صرف مٹی پلید کی بلکہ ان کی حیات ہی میں ذاتی طور پر ابنِ صفی کو اتنا بڑا نقصان پہنچایا اور ان پر ظلم کیا کہ دنیا کے شاید کسی دوسرے ادیب کے حصے میں اتنی مظلومیت اور بے بسی نہ آئی ہوگی۔ آپ تصور کیجیے کہ ایک ابنِ صفی (اسرار ناروی) جو ہندستان کے معروف شہر الٰہ آباد کے ایک قصبہ نارہ میں پیدا ہوئے، الٰہ آباد ہی میں جاسوسی ادب کی بنیاد رکھی پھر 1952 (ستمبر) میں بحالتِ مجبوری کراچی ہجرت کر گئے۔ دوسرے ابنِ صفی کانپور میں موجود ہیں اور دھڑا دھڑ عمران اور حمید فریدی سیریز کے ناول لکھ رہے ہیں۔ اردو ادب کی یہ کیسی دنیا ہے جہاں اوریجنل ادیبوں کی ڈمی تیار کی جاتی ہے بلکہ کاغذی کلون (Clone) تخلیق کی جاتی ہے اور اسے اصل بنا کر اس طرح پیش کیا جاتا ہے جس طرح دجالِ اکبر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ڈمی بن کر دنیا کو تہہ و بالا کرنے کی کوشش کرے گا۔ شاید یہ بھی دجالی عہد کا کرشمہ ہے کہ 'ان شاء اللہ' اور 'شیطانی منصوبے' کے پردے میں اردو ادب میں اتنا بڑا فتنہ برپا کیا گیا کہ شاید شیطان بھی حیران و پریشان ہوگا کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا کیوں کر پیدا ہوگیا۔ ساٹھ کی دہائی میں جاسوسی ادب کے میدان میں سرقہ، ادبی ڈاکہ زنی اور لوٹ کھسوٹ کا ایسا بازار گرم تھا کہ شاید اردو ناول نگاری کی تاریخ میں ایسا معرکہ کبھی پیش نہ آیا ہوگا۔ جعلی ایڈیشن کے 'ڈمی ابنِ صفی' کی جانب سے لکھے ہوئے ایک 'پیش رس' کے اقتباس کی دروغ گوئی ملاحظہ کیجیے:

> ''... کچھ احباب نے سوال کیا ہے کہ کیا شاہین پبلی کیشنز اپنا ادارہ ہے تو اس کے لیے عرض ہے کہ ان کا سوال ہی دراصل میرا جواب ہے۔ حقیقتاً شاہین پبلی کیشنز میرا نجی ادارہ ہے اور اس ادارہ سے آپ کو میری تمام تصنیفات پڑھنے کو ملیں گی اور کہیں نہیں۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجیے کیوں کہ آپ اپنے محبوب کردار علی عمران سے ملنے کے لیے بے چین ہوں گے۔ اس لیے میں آپ... حضرات کے بیچ میں کباب میں ہڈی کی طرح نہیں آنا چاہتا، اس لیے آپ علی عمران سے ملیے اور مجھے آئندہ ناول کے لیے رخصت کیجیے۔ آپ کا اپنا ابنِ صفی''۔

(بحوالہ جعلی ناول 'موت کی محبوبہ' شاہین پبلی کیشنز، کانپور، 1962)

اب ذرا اوریجنل ابنِ صفی (اسرار ناروی) کے ایک ناول 'سبز لہو' کے پیش رس کا آخری حصہ ملاحظہ کیجیے:

> ''... لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ گرمیوں میں مَری چلے جایا کرو اور میں ان سے بصد خلوص وعدہ کرتا ہوں کہ اگلی گرمیوں میں ضرور چلا جاؤں گا۔ لیکن جہاں گھنٹے بھر بعد ہوا بدلی یہ فلسفہ سوجھا کہ آدمی تو دراصل اپنے ذہن میں رہتا ہے! پھر مَری وری کیسی؟ سب چلتا ہے... پھر موسم میں کوئی تبدیلی آئی اور تارک الدنیا ہونے کو دل چاہنے لگا! کراچی جیسے کاروباری شہر میں تو ایسی آب و ہوا نہ ہونی چاہیے۔ پتا نہیں اللہ کی کیا مصلحت ہے... !والسلام
>
> 2 جولائی 1969 (ابن صفی)''

مذکورہ پیش رس کے دونوں اقتباسات سے ادنا درجے کا طالبِ علم بھی اندازہ کرسکتا ہے کہ دونوں تحریروں میں اسلوب اور فکر وخیال کے لحاظ سے زمین وآسمان کا فرق ہے۔ نقلی اور اصلی کی پہچان مشکل نہیں۔ پھر اصلی ابنِ صفی تو کراچی میں مقیم ہیں اور ان کا ڈمی کانپور کا کوئی احمق باشندہ ہے یا خود محمد درویش خاں۔

اسی طرح دہلی کے ایک پبلشر 'مینار پاکٹ بکس' کا شائع کردہ ایک ناول 'بے کاروں کی انجمن' کے سرورق پر لکھا ہے: ''عظیم مصنف ابنِ صفی بی اے کا عظیم شاہکار''۔ سرورق کی پشت پر ابنِ صفی کی بلیک اینڈ وہائٹ تصویر دی گئی ہے جس کے نیچے جعلی پبلشر نے اپنی ذلالت پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ کیپشن بھی لکھا:

> ''جاسوسی ادب کے شہرۂ آفاق مصنف محترم ابن صفی بی اے، جن کی تحریر دوسروں کے لیے باعثِ تقلید بنی... اور آج بھی وہ روشن مینار کی طرح ہیں۔''

معلوم نہیں اس طرح کے اور کتنے ناول مذکورہ پبلشر نے شائع کیے ہوں گے اور بڑی بے شرمی سے ان ناولوں کا خالق ابنِ صفی کو قرار دے کر اردو کے قارئین کو گمراہ کیا ہوگا۔ اس طرح کے ناولوں کی کھپت عام طور پر جنوبی ہندستان کے اردو قارئین میں زیادہ تھی۔ وہاں کی مقامی اردو لائبریریوں میں اب بھی یہ ناول محفوظ ہوسکتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

⚜⚜⚜

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

سیّد فیض الحسن مرحوم کی یاد میں

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

آیا تو اس کی زمین کے مالک نے اراضی کو اسکول کے نام کرنے سے انکار کردیا۔ اس طرح سیّد فیض الحسن مرحوم کا خواب بکھر گیا۔ اس حادثے نے انھیں توڑ کر رکھ دیا۔ اپنے علاقے کے لوگوں کی اس بے وفائی سے وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور اپنے وطن نرکٹیا گنج سے ترکِ تعلق کر کے ممبئی چلے گئے۔

ممبئی میں وہ دس برس تک فلم انڈسٹری سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد 2013 میں انھوں نے حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا اور واپسی پر ماہنامہ 'تریاق' سے وابستہ ہوگئے اور پھر آخری لمحے تک اسی ادارے سے وابستگی کے ساتھ اردو زبان و ادب کی خدمت کرتے رہے۔ اس موقعے پر مدیرِ 'تریاق' میر صاحب حسن نے لکھا:

''محترم فیض الحسن صاحب نے الحمدللہ امسال خدا کے فضل وکرم سے حج کے فرائض جملہ ارکان کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہوئے حج کی سعادت حاصل کی۔ آپ خاموش طبع ،نیک سیرت، ملنسار،اور ایک مخلص انسان ہیں۔ آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور ساتھ ہی ساتھ حافظہ بھی بہت عمدہ ہے۔ آپ نے کئی مضامین اور کہانیاں تخلیق کی ہیں۔ جو رسالہ تریاق اور وقت مشن میں شائع ہوچکی ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ آپ کی بقیہ زندگی امن وامان کے ساتھ گزر جائے اور ہمیشہ کی طرح ہماری رہنمائی کرتے رہیں''۔

(ماہنامہ تریاق، ممبئی، مارچ 2013، ص 78)

16 اپریل 2021 کو جان جان آفریں کے سپرد کری۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔

سیّد فیض الحسن مرحوم نے کئی ادبی اصنافِ شعروادب میں داد دی۔ وہ ایک اچھے شاعر تھے۔ افسانہ نگار اور خاکہ نگار تھے۔ اپنی یادیں بھی انھوں نے لکھی ہیں، چوں کہ ان کا سرمایۂ شعروسخن دستیاب نہ ہوسکا، اس لیے جو کچھ ہاتھ آیا ہے، یہاں ان کا ذکر کیا جاتا ہے اور بطورِ نمونہ ان کی تخلیقات بھی نقل کی جاتی ہیں۔ شاعری میں انھوں نے نظمیں بھی کہیں اور غزلیں بھی۔ ایک غزل ملاحظہ ہو:

سمٹ رہا ہوں مگر پھر بھی انتشار میں ہوں
گلوں کے بیچ بھی لگتا ہے خارزار میں ہوں
وہ کون ہے مجھے خود ہی پتہ نہیں شاید !!
میں راستے میں کھڑا اس کے انتظار میں ہوں
یہ کون جسم میں رہتا ہے میری جاں بن کر
میں بے ارادہ بھلا کیوں کسی حصار میں ہوں
یہ اور بات کہ پہچانتا نہیں کوئی !!
یہ اور بات کہ ہر روز اشتہار میں ہوں
زمانہ کہتا رہے دور ہے بہت منزل
مجھے خبر ہے کہ میں راہِ اختصار میں ہوں
ادب میں جس کو عروس البلاد کہتے ہیں
میں فیض آج اسی شہرِ گلعذار میں ہوں

اس غزل کے علاوہ ایک اور شعر جو انھوں نے روزنامہ 'تاثیر' پٹنہ (17 اپریل 2021) کو لکھ کر بھیجا تھا یہ ہے:

سمندر کا سفر کرنے سے پہلے
کسی دریا کا تو ہمراز ہوتا

ماہنامہ 'تریاق'، ممبئی میں ان کی کئی نظمیں شائع ہوئی ہیں۔ ایک نظم اگرچہ طویل ہے، مگر نقل کرنے کے لائق ہے۔ اس کا عنوان ہے 'زندگی کی طرح':

وہ ایک خوشبو
جو سوغات تھی اس ملاقات کی
قرب کی۔۔ چاہتوں کے کرشمات کی
اس کی موجودگی۔۔
سپردگی۔۔
معطر ہوئے جسم و جاں
اور وہ۔۔
خواب میں۔۔ ہوش میں۔۔ خلوتوں۔۔ جلوتوں میں
قوسِ قزح کی طرح سمٹتی رہی۔۔ اور بکھرتی رہی
میں روٹھتا بھی رہا تو مناتی رہی۔۔ اور روٹھتی بھی رہی
اس طرح ساتھ اپنا نبھاتی رہی
نبھاتی رہی۔۔ نبھاتی رہی
جانے پھر کیا ہوا
تیز ہوا جو چلی۔۔ وہ کسی پل میں گم ہوگئی
وقت کے ریت پر نقشِ پا چھوڑ کر۔۔ دھند میں کھوگئی
میں بھی گم ہوگیا۔۔ آپ سے۔۔
اپنے حالات سے۔۔ دن سے بھی۔۔ رات سے
بیتے کئی ماہ وسال
پھر بھی لگتا ہے اب۔۔
وہ تو موجود ہے ایک حس کی طرح
میرے دل کے قریں
رگِ جاں کے قریں
دھڑکنوں کی طرح۔۔ زندگی کی طرح

(ماہنامہ تریاق، ممبئی، نومبر 2013، ص:54)

فیض الحسن مرحوم کی نثری تخلیقات میں یادیں، افسانے اور انشائیے نظر سے گزرے ہیں اور سب نے اپنے اپنے لحاظ سے متاثر کیا ہے۔ اپنی یادیں انھوں نے کئی عناوین سے لکھی ہیں۔ اگر مسلسل لکھ دیتے یا صاحب حسن صاحب لکھوا دیتے تو ایک عمدہ بات ہوتی اور وہ ان کے ادبی مقام ومرتبے کی تعیین میں بڑی مددگار ہوتی۔ ایک اور نظم بعنوان 'یادیں' ملاحظہ ہو:

کیوں سانجھ سویرے اس پل پر
وہ تنہا بیٹھا رہتا ہے
اپنی ویران نگاہوں سے
کچھ ڈھونڈتا رہتا ہے اکثر
اور سوچتا رہتا ہے یہ بھی
جو پاس میں مکتب ہوتا تھا
اب بچے شور نہیں کرتے
کیوں بستی میں سناٹا ہے؛
کیوں ہر دل میں ویرانی ہے
کیوں ہونٹوں پہ خاموشی ہے؟
کیا وہ چہرہ پسِ چلمن
اپنی متلاشی آنکھوں سے
کیا دیکھتا ہے ویران رستے میں؟
پھر ایک بگولا اٹھتا ہے
ہر نقش اڑا لے جاتا ہے
ہر نقش مٹا لے جاتا ہے
جب چاند بھی سر پر آتا ہے
تب پانی پر لہراتا ہے
ایک سندر عکس دکھاتا ہے
تب آنکھ سے آنسو کے قطرے
پانی کی سطح پر گرتے ہیں
گرداب کی صورت میں چہرہ
آناً فاناً مٹ جاتا ہے

(ماہنامہ تریاق، ممبئی، جنوری 2018، ص:32)

ان نظموں سے ان کی نظمیہ شاعری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ الفاظ اور افکار وخیالات پر فیض الحسن مرحوم کی کس قدر دسترس تھی اور وہ کیوں کر خاموش رہا کرتے تھے۔

سیّد فیض الحسن مرحوم نے خاکہ یا انشائیہ نما جو یادیں لکھی ہیں، اس کی کئی قسطیں ماہنامہ 'تریاق' ممبئی میں مختلف عناوین سے شائع ہوئی ہیں۔ عناوین درج ذیل ہیں:

1- بھلا تالا کھ ہوں لیکن۔۔۔
2- ایک اجنبی۔۔۔
3- مشینی فتنہ کے شکار۔ وغیرہ

بھلا تالا کھ ہوں لیکن۔۔۔ (میرے بچپن کے تعلق سے ایک غیر معروف کردار کا خاکہ) میں فیض الحسن مرحوم نے اپنے وطن کا ذکر کیا ہے۔ اور اس میں اتنی معلومات جمع کردی ہیں کہ کوئی شخص اسے پڑھے بغیر سیّد فیض الحسن مرحوم کے تاریخی شعور اور ان کے اسلوب سے واقف ہی نہیں ہوسکتا، اس لیے اس کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

موتیہاری شہر صوبہ بہار کے غیر منقسم ضلع چمپارن کا صدر مقام تھا، اب مشرقی چمپارن کا کلکٹر یہاں رہتا ہے، بہت پہلے یہ آریوں کی قلمرو میں شامل تھا، ان کا ایک انتظامی دفتر اسی علاقے ارے راج (آریہ راج) میں قائم تھا، وہاں ایک قدیم شیو مندر موجود ہے جو شمالی بہار کا تیرتھ استھان ہے، اس کے آس پاس بدھسٹوں کے مٹھوں کے آثار بھی ماضی کی داستان سناتے نظر آتے ہیں، یہ بھی مشہور ہے کہ جب رام چندر جی سیتا کو بیاہ کرا یودھیا لوٹ رہے تھے تو جیودھارا میں پڑاؤ کیا تھا، اسی کی یاد میں وہاں ہر سال میلہ لگتا ہے۔ کیسریا اور اس کے جوار میں بیشتر تاریخی یادگاریں موجود ہیں۔ کپل وستو کے راج کمار گیان کی تلاش میں نکلے تو ان کی پتنی یشودھرا بھی انھیں ڈھونڈنے نکلی تھیں، دورانِ سفر گونا ہا میں قیام کیا تھا، ادھر بسنے والے تھارو اسی یاد میں میلے کا انعقاد اور پوجا کا اہتمام کرتے ہیں، اسی ضلع کے لوریا میں نندونش کی تعمیرات کے آثار موجود ہیں، جن میں نندگڑھ مورخوں اور سیاحوں کے لیے وجہِ کشش بنا ہوا ہے، نرکٹیا گنج کے علاقے میں ایک تاریخی عمارت آج بھی فلک بوسی کا دعویٰ کرتی ہے جو چانکی گڑھ کہلاتی ہے، وہ چانکیہ کی یادگار سے منسوب کی جاتی ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ والمیکی نے رامائن کی تصنیف اپنے بھیسا لوٹن آشرم میں کی تھی، جو آج والمیکی نگر کے نام سے مشہور ہے۔ سمراٹ اشوک نے بھی چمپارن کے دیگر علاقوں میں اسمتھ (لاٹ) ایستادہ کروائے تھے۔ ان میں لوریا کا لاٹ روزِ اول کی طرح چمک رہا ہے۔ اس پر کلمہ طیبہ کے زیریں شہنشاہ اورنگ زیب کا نام اور آمد کی تاریخ بھی کندہ ہے۔ امولوا کی ایک خستہ حال مسجد اورنگزیب کی تعمیر کہی جاتی ہے۔ مہاتما گاندھی بھی چمپارن کے کسانوں کی دعوت پر آئے تھے۔ انھوں نے انگریز کاشتکاروں کے جبر کے خلاف ستیہ گرہ کیا تھا، اسی لیے یہ آشرم گاندھی وادیوں کے لیے تیرتھ استھان کا درجہ رکھتا ہے۔ چمپارن کا مشہور شہر بیتیا کو وہاں کے راجہ نے بسایا تھا۔

(تریاق، اپریل 2012، ص 22)

کاش انھوں نے اپنی خودنوشت تسلسل سے قلم بند کردی ہوتی تو ان کے اسلوب وانداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں ایک قیمتی اور معلومات افزا خودنوشت کا اضافہ ہوتا اور شاید بہار کے اس بانکے ادیب وشاعر سیّد فیض الحسن کو بھی اردو کی تاریخ میں ایک نئی زندگی مل گئی ہوتی۔

شائستہ منزل، 641، پورہ غلامی، عقب آواس وکاس، اعظم گڑھ-01، یوپی
E-mail: azmi408@gmail.com, Mob. 9838573645

سیّد فیض الحسن مرحوم کی یاد میں

محمد الیاس الاعظمی

مرحوم سیّد فیض الحسن صاحب ماہنامہ 'تریاق' ممبئی کے پہلے معاون مدیر تھے۔ مدیرِ اعلا ضمیر کاظمی کے انتقال کے بعد نگراں مدیر بنائے گئے۔ ماہنامہ 'تریاق' کے مدیر میرے ہم وطن اور مہربان دوست میر صاحب حسن ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ مدیر بڑے ہیں یا انسان۔ ہمہ وقت اہلِ ذوق سے گھرے رہتے ہیں اور اسی میں ادارت کا کام بھی کرتے رہتے ہیں۔ ان کا دفتر کرلا ویسٹ ممبئی میں تھا۔ اب کہیں اور منتقل ہو گیا ہے۔

ناچیز جب ممبئی جاتا تو اکثر کرلا ہی میں قیام کرتا۔ میرے دو بڑے بھائی وہاں رہتے ہیں، بڑے بھائی کی رہائش کرلا ٹیکسی مین کالونی میں ہے اور دوسرے بھائی کی رہائش ہری مسجد کرلا میں۔ انھی دونوں کے یہاں قیام رہتا اور جب میر صاحب حسن کو اطلاع مل جاتی کہ میں آیا ہوا ہوں تو ان کے فون آنے لگتے اور فون نہ آتا تو میں سمجھ جاتا کہ ان کو میرے بمبئی آنے کی اطلاع نہیں ہے، چناں چہ میں خود فون کرتا اور ملاقات کا پروگرام بنتا۔ 'تریاق' کے دفتر میں مدیر 'تریاق' اور دوسرے متعلقینِ 'تریاق' سے ملاقات ہو جاتی۔ یہ سب اپنے پیمانے پر اردو کی خدمت میں لگے رہتے۔ یہیں عارف اعظمی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ عارف اعظمی صاحب موضع لوہیا، مبارک پور کے رہنے والے ہیں اور محمد فاروق اعظمی مرحوم جل گاؤں کے چھوٹے بھائی ہیں۔

پہلی بار جب میں 'تریاق' کے دفتر پہنچا تو وہاں کئی اور لوگوں سے ملاقات ہوئی اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ سب کے سب انتہائی خلوص و محبت سے ملے اور بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔ وہیں سیّد فیض الحسن مرحوم، انیس عادل مرحوم، عارف اعظمی، حنیف صاحب، سیّد محمد عابد (برادرِ صغیر میر صاحب حسن) وغیرہ اور چند اور لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی مگر ان سب کے نام اب یاد نہیں رہ گئے۔

سیّد فیض الحسن صاحب ایک کرسی پر خاموش بیٹھے ہوئے سب کی باتیں سنتے رہتے اور کبھی کبھی منہ کھول دیتے۔ ورنہ عموماً خاموش ہی رہتے، لیکن جتنے لوگ اس بزم کا حصہ تھے، ان سب میں شاید سب سے عمر رسیّدہ بزرگ اور صاحبِ شعور و تجربہ کار وہی معلوم ہوتے تھے۔ ماہنامہ 'تریاق' کے سرپرست تھے۔ ان کے انتقال کے بعد میر صاحب حسن نے 'تریاق' اور اردو فاؤنڈیشن ممبئی کی سب ذمہ داریاں سنبھال لیں اور بڑی محنت اور فعالیت سے 'تریاق' نکال رہے ہیں۔ ان کی جو ٹیم لکھتی پڑھتی ہے ان میں سیّد فیض الحسن اور انیس عادل مرحوم اپنے اپنے موضوعات پر اچھا لکھتے تھے۔ پہلے ہم لوگوں کا خیال تھا کہ بمبئی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر مرحوم صاحب علی ہی واحد ایسے شخص ہیں جن کے نام کے آگے پیچھے صاحب لگتا ہے مگر دوسرے صاحب حسن صاحب نکل آئے جن کے نام کے آگے پیچھے صاحب لگتا ہے۔ مقطعے میں یہ سخن گسترانہ بات محض تفننِ طبع کے لیے آ گئی ہے۔

سیّد فیض الحسن مرحوم بردباری اور تحمل سے ہر موضوع کی گفتگو سنتے رہتے اور کچھ کہتے تو بالکل نپا تلا جملہ ان کے منہ سے باہر آتا، گویا محفل کے سب سے سنجیدہ شخص بھی وہی تھے۔ ان کی اس سنجیدہ مزاجی اور بردباری کی روش نے مجھے بہت متاثر کیا مگر کبھی کبھی ان کے رویّے سے محسوس ہوتا کہ زمانے کے ستائے ہوئے ہیں اور کسی سانحے نے ان کی آواز بند کر دی ہے مگر یہ واقعہ نہیں ہے بلکہ خاموشی ان کے مزاج کا حصہ تھی اور وہ طبعاً خاموش مزاج تھے۔ ایک روز باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ فیض الحسن مرحوم شاعر ہیں۔ غزلیں کہتے ہیں، نظمیں لکھتے ہیں۔ افسانہ نگاری کرتے ہیں اور 'تریاق' کے لیے ادبی شخصیات سے انٹرویو کرتے ہیں اور جلد ہی ان کے افسانوں اور خاکوں کا مجموعہ 'آئے کیا کیا یاد' مرتب ہو کر شائع ہوگا مگر یہ خیال دیوانے کا خواب ہو کر رہ گیا۔ میں جب بھی ان سے ملتا ان کے مجموعے کے متعلق ضرور پوچھتا مگر وہ ایک ہی بات ہمیشہ دہراتے کہ زیرِ ترتیب ہے جلد ہی شائع ہوگا۔ یا پھر میر صاحب حسن کی طرف اشارہ کرتے کہ انھی کے ذمے ہے۔ ایک روز ڈاک سے ان کا بھیجا ہوا ایک شعری مجموعہ ملا۔ میں بڑا خوش ہوا کہ فیض الحسن صاحب کا مجموعہ چھپ گیا مگر دیکھا تو وہ دوسرا مجموعہ 'جلال و جمال' تھا۔ سیّد جلال الدین اکبر کا شعری مجموعہ۔ اس کے مرتبین میں سیّد فیض الحسن صاحب بھی شامل ہیں۔ ہم متمنی تھے کہ اب ان کا بھی مجموعہ شائع ہو جائے گا، مگر اچانک یہ سناؤنی آئی کہ سیّد فیض الحسن صاحب یکایک گھر کے فرش پر گر گئے اور کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ آپریشن ہوا۔ اب وہ روبہ صحت تھے کہ آسمان سے بلاوا آ گیا اور وہ دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کا مجموعہ شائع نہ ہو سکا اور اب تک شائع نہیں ہوا ہے اور شاید اب آئندہ بھی کبھی نہ شائع ہو سکے، اس لیے کہ ان کے ورثا کی اس جانب توجہ نہیں ہے اور شاید انھیں سرے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی، ورنہ میر صاحب حسن تو دوسروں کے مجموعۂ کلام یا کتابوں کی اشاعت میں دلچسپی لیتے ہیں اپنے نگراں مدیر سے کیوں غافل رہتے۔ ویسے ہمارے دور کا یہ المیہ ہے کہ بہت سے ادیب و شاعر کے ورثا نے توجہ نہیں دی، چناں چہ ان کے بزرگوں کا ادبی سرمایہ منظرِ عام پر نہیں آ سکا۔ کبھی دیمک اور کبھی کباڑی والے کی نذر ہو جاتا ہے۔ آئے دن ہم سنتے ہیں کہ فلاں صاحب کا مجموعۂ کلام کباڑی والے کی دکان سے دستیاب ہوا۔ مزے کی بات یہ بھی ہے کہ جسے مجموعہ مل جاتا ہے وہ راتوں رات بڑا محقق و مدون بن جاتا ہے۔ یہ دنیا کا کاروبار ہے۔ کچھ کہنا تحصیلِ حاصل ہے۔

میرے ذہن میں سیّد فیض الحسن مرحوم کی ایک تصویر شاعر و ادیب کی بن گئی تھی اور ان کی دو ایک نظمیں اور غزلیں جو 'تریاق' میں چھپی تھیں انھیں پڑھ کر اور چند ملاقاتوں میں ان سے گفتگو کر کے احساس ہوا کہ ان کی تخلیقات منظرِ عام پر آنی چاہیے تھیں۔ ان کے انتقال کی خبر شاید 'تریاق' اور روزنامہ 'تاثیر' جن کے وہ بمبئی میں نمائندے تھے، کے علاوہ کہیں اور شائع نہیں ہوئی اور نہ کسی کو پتا چلا کہ اردو کا یہ خاموش خدمت گزار چپ چاپ اپنے رب کے حضور پہنچ گیا۔ دنیا بھی اسی کی قدر کرتی ہے جو جانے سے پہلے جمع پونجی چھوڑ گیا ہو۔

ان سے میری معمولی شناسائی کے باوجود تکلیف ہوئی اور میں نے اسی وقت یہ تہیہ کر لیا تھا کہ جب بھی فرصت ملے گی دو چار سطور ان کے بارے میں ضرور لکھوں گا مگر فرصت نہ ملی اور یہ کام آج اور کل پر ٹلتا رہا۔ شاید تقدیر نے اسے اس وقت کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔

سیّد فیض الحسن مرحوم بظاہر خاموش طبع تھے مگر جوانی میں ملک و ملت کے لیے ان کی سرگرمیاں بڑی ہنگامہ خیز تھیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

سیّد فیض الحسن مرحوم مغربی چمپارن بہار کے رہنے والے تھے۔ وہیں سب ڈویژنل شہر نرکٹیا گنج میں 20 نومبر 1951 کو پیدا ہوئے۔ وہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ گریجویشن موتیہاری کے ایم ایس کالج سے پاس کیا۔ پھر وہیں سرکاری ملازم ہو گئے اور کچھ دنوں تک ملازمت کرتے رہے۔ چوں کہ مزاج میں کچھ نمایاں کرنے کا جذبہ تھا اس لیے ملازمت ترک کر دی اور عرصے تک انجمن اصلاح المسلمین سے وابستہ ہو کر اصلاحِ معاشرہ میں جدوجہد کرنے لگے۔ اس دوران چکی کی مشقت کے ساتھ مشقِ سخن کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اسی زمانے میں انھیں اصلاحِ معاشرہ کے تحت ایک تعلیمی ادارے کے قیام کا خیال آیا۔ چوں کہ وہ دُھن کے پکے اور جدوجہد کے عادی تھے، چناں چہ انھوں نے اپنی ساری توجہ اسکول کے قیام کی جانب مبذول کر دی اور 1979 میں نرکٹیا گنج کے نزدیک دھوم نگر میں علاقے کے تعلیم یافتہ اور باشعور افراد کے تعاون سے ایک مسلم ہائی اسکول کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس کا کام شروع کرایا مگر جب اس کی سرکاری منظوری کا وقت ... (بقیہ صفحہ 7 پر)

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے **(ادارہ)**

مدیر : **اطہر فاروقی**
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***